OPEN ACCESS
Tadabbur-e-Uloom-e-Islamia Research Journal (TUIRJ)
www.tadabburjournal.com
Peer Reviewed Journal
ISSN (print):
ISSN (online):

Tadabbur-e-Uloom-e-Islamia (TUIRJ)
Volume:1, Issue:1, January 2020

پاکستان میں فرقہ واریت کی وجوہات اثرات اور تدارک اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

Analytical Study in the Light of Islamic Teachings on the Causes and Effects of Sectarianism in Pakistan

Published: 01-01-2020
Accepted: 10-10-2019
Received: 08-09-2019

Abdul Rahman
(PhD Scholar Department of Islamic Studies BZU Multan)
abdulrahman6060@gmail.com

Abstract:

The causes, effects and prevention of sectarianism in Pakistan in the light of Islamic teachings.This analytical study article is examining the most important issue regarding the Sunni Shia conflicts in Pakistan which is widely known as sectarianism in Pakistan. It starts with the scene and how did the current era of sectarianism in Pakistan come about and what were the most important steps that opened the doors of sectarianism in Pakistan and ultimately took the direction of Pakistan's economic impact. What are the steps taken to solve this problem? At the time of Pakistan's independence in 1947, many people have different sects.

But beyond the concept of caste, color and race built on the concept of an independent state based on the same principles of Islam that the right to assume power after the death of Quaid-e-Azam Muhammad Ali Jinnah, the founder of Pakistan. The adventurous leaders were politically weak and could not effectively manage the political affairs of this newly built country. This led to a series of conflicts based on religious grounds. The state elements of these conflicts were the Shia Sunni community. According to Sunan, Hazrat Abu Bakr Siddiq (may Allah be pleased with him) is the leader and trustee of the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him)-

At the time of Pakistan's independence in 1947, many people had different sects, but they went beyond the concept of caste, color and race and built on the concept of an independent state based on the same principles.

Keywords: Causes, Effects ,sectarianism, Sunni, Shia, Islamic Teaching.

فرقہ کا لغوی مفہوم:

لغت کی کتاب مفردات القرآن میں فرق کے لغوی معنی "جدا کرنا" "علیحدہ کرنا" اور الگ الگ "کرنے کے بیان ہوئے ہیں۔([1])

اسی طرح القاموس میں لفظ فرقہ کے معنی "پھوٹ" کے بیان ہوئے ہیں۔ ([2])

"لفظِ فرقہ کا معنی گروہ اور جماعت کے ہیں۔ یہ لفظ (فرق) سے مشتق ہے، جس کے معنی الگ کرنا/جدا ہونا ہے. دوسرے الفاظ میں فرقہ کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ فرقہ کسی بھی مذہب، جماعت (سیاسی یا مذہبی) یا گروپ کا ذیلی حصہ ہوتا ہے جو اپنے الگ خیالات و نظریات کی وجہ سے الگ جانا جاتا ہے"۔

فرقہ کی اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں فرقہ واریت سے مراد "کسی جماعت یا اجتماعیت کا مختلف گروہوں میں تقسیم ہونا۔ بڑے گروہوں کو فرقہ کہتے ہیں اور چھوٹے گروہوں کو طائفہ کہتے ہیں'۔([3])

ان معانی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فرقہ واریت کا مطلب ہے الگ الگ گروہوں اور جماعتوں میں بٹ جانا۔ اور یہ گروہ بندی نظریاتی ہو یا عملی ہو یا عقلی ہو الغرض فرقہ واریت ہی کہلائے گی۔

فرقہ پرستی کی اصطلاحی تعریف

عصر حاضر کے ایک مصنف فرقہ واریت کی تعریف یوں کرتے ہیں:

جب فرقے باہم متصادم ہوں اور نزاعی نقطہ نظر پر ایسی استقامت اختیار کی جائے جو فرقہ کو مذہب کی ایک ممکن تعبیر کی بجائے عین مذہب بنا ڈالے اور باہم اشتراک و اتحاد کی کسی صورت، کسی بنا تک گروہ نہ پہنچ سکیں تو یہ فرقہ پرستی کہلائے گی۔([4])

ہم کہہ سکتے ہیں کہ فرقہ واریت تعصب اور تنگ نظری اپنے مذہب یا گروہ کی طرف داری اور دوسرے کی مخالفت کرنا کو کہتے ہیں۔

اختلاف کی اقسام اور اسباب

نصوص کے فہم و جمع کے اندر صحابہ میں بھی اختلاف ہوا۔ علماء اور صحابہ کے فتاویٰ ایک دوسرے سے مختلف ہوئے۔ کسی نے دوسرے سے اپنی رائے منوانے پر اصرار نہیں کیا۔

یہی طرزِ عمل تابعین اور اتباع تابعین میں چلتا رہا۔ کسی نے ایک دوسرے کو اپنے سے مختلف رائے رکھنے پر، بُرا بھلا نہ کہا اور نہ کسی نے اس بنیاد پر گروہ بندی کی۔ جس کی مثال درج ذیل ہے:

دین اسلام کی اندر اختلاف کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں جیسا کہ اس حدیث مبارکہ میں بیان ہوا ہے۔

عن ابنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ لَا يُصَلِّيَنَّ أحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ فَأَدْرَكَ بَعْضُهُمُ الْعَصْرَ فِي الطَّرِيقِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا نُصَلِّي حَتَّى نَأْتِيَهَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ نُصَلِّي لَمْ يُرِدْ مِنَّا ذَلِكَ فَذُكِرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْ وَاحِدًا مِنْهُمْ (12)

عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہا: رسول اللہ ﷺ نے غزوہ احزاب کے روز منادی فرمائی کہ کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ کے ہاں (پہنچ کر)۔ تب بعض لوگوں کو عصر راستے میں ہو گئی بعض نے کہا ہم تو بنی قریظہ کے ہاں پہنچنے سے پہلے نماز نہ پڑھیں گے۔ جبکہ دوسرے لوگ کہنے لگے ہم تو پڑھ لیں گے آپ کا ہمیں (کہنے کا) یہ مطلب نہ تھا۔ پھر اس بات کا آپ ص کے پاس ذکر کیا گیا تب آپ نے فریقین میں سے کسی ایک کو بھی سرزنش نہ کی۔

امام ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری در شرح صحیح البخاری نے اس حدیث کے فہم و معانی کی بابت دو اقتباسات نقل کئے ہیں:

قَالَ السُّهَيْلِيُّ وَغَيْره. فِي هَذَا الْحَدِيث مِنْ الْفِقْه أَنَّهُ لَا يُعَاب عَلَى مَنْ أَخَذَ بِظَاهِرِ حَدِيث أَوْ آيَة, وَلَا عَلَى مَنْ اِسْتَنْبَطَ مِنْ النَّصّ مَعْنًى يُخَصِّصهُ(5)

سُہیلی کہتے ہیں کہ: اس حدیث سے یہ فقہی نکتہ واضح ہوا کہ نہ تو اس شخص کی مذمت ہو گی جو کسی حدیث یا آیت کے ظاہری معنی سے استدلال کرے اور نہ ہی اس آدمی کی عیب جوئی ہو گی جو نص کے کسی ایسے معنی سے استنباط کرے جو اس کی کوئی خاص مراد متعین کر دے۔

وَقَدْ اِسْتَدَلَّ بِهِ الْجُمْهُور عَلَى عَدَم تَأْثِيم مَنْ اِجْتَهَدَ لِأَنَّهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُعَنِّف أَحَدًا مِنْ الطَّائِفَتَيْنِ, فَلَوْ كَانَ هُنَاكَ إِثْم لَعَنَّفَ مَنْ أَثِمَ(6)

جمہور علماء نے مذکورہ حدیث سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ جو آدمی اجتہاد کرے اس کو گناہ گار نہ ٹھہرایا جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ نے فریقین میں سے کسی ایک کو بھی بُرا یا غلط نہ کہا۔ چنانچہ اگر یہ گناہ ہوتا تو آپ اس فریق کو ضرور تنبیہ کرتے جس نے گناہ کا ارتکاب کیا ہوتا۔

جہاں تک "روایات کے قبول کرنے" میں اختلاف ہو جانے کا معاملہ ہے تو اس کی نوبت صحابہ کی زندگی میں ظاہر ہے کم ہی آسکتی تھی۔ سب کے سب صحابہ عدول تھے۔ راویوں کی جرح و تعدیل سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بے نیاز کر رکھا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا تھا کہ کوئی روایت کسی صحابی تک نہ پہنچے اور ایسے متعدد واقعات مذکور ہوئے ہیں جہاں کسی صحابی نے نص معلوم نہ ہونے کے باعث اجتہاد کیا۔ روایات کی چھان پھٹک بعد کی نسلوں کی ایک ضرورت تھی صحابہ کی زندگی میں اس کی نوبت ہی نہ آئی تھی۔ اس کے باوجود چند ایک واقعات پھر بھی ایسے ملتے ہیں جن میں بعض صحابہ بعض روایات کی بابت توقف یا حتی کہ بعض اوقات اختلاف کرتے ہوئے بھی پائے گئے۔ البتہ صحابہ کے بعد کے ادوار میں

قبولِ روایات کے اندر اختلاف کا بڑھ جانا ایک طبعی واقعہ تھا۔ خصوصاً جب عالم اسلام میں ایک بڑی توسیع ہوئی اور جہاد و تعلیم و امارت کی ضرورت کے پیش نظر ذخیرہ احادیث اور رواۃ احادیث مختلف ملکوں میں پھیل گئے۔اس معاملے میں بھی سلف کے مابین "شدت" نہ اپنائی گئی۔

روایات کی تصحیح وتضعیف اور ترجیح کا معاملہ اہل علم میں ہمیشہ سے چلتا ہی آیا ہے۔ بعض روایات ایسی ہیں کہ ایک ایک حدیث پر بحث کیلئے ضخیم کتب تک لکھی گئیں۔ ان معاملات میں کوئی کتنی تحقیق کر سکتا ہے یہ ہر شخص کی ہمت پر ہے۔ اس بنیاد پر محاذ آرائی کی بہر حال گنجائش نہیں۔

پھر اہل علم میں "تعارضِ ادلہ" ایک بڑے اختلاف کا سبب بن جاتا رہا ہے اور مختلف لوگ اس تعارض کے ازالہ کے معاملے میں عمومی اتفاق کے باوجود -کچھ معین تفاصیل کی حد تک- مختلف طریقے اپناتے رہے ہیں۔

ان سب معاملات میں علمی اختلاف کی پوری گنجائش ہے۔ بحث و نظر اور تحقیق و مطالعہ کی ضرورت مسلَّم ہے۔ تبادلۂ آراء اور مناقشہ و تصحیح ان معاملات میں ایک برحق موقف ہے۔ فقہی اختلافات کا ہو جانا ہرگز نقصان دہ نہیں ہے۔

امت میں تصادم کا ہونا ناگزیر ہے، ہر دور میں ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا، حقیقت میں یہ بھی اللہ کی قدرت کا مظاہرہ ہے اس کو کوئی مٹانے کے درپے ہو تو بھی مٹ نہیں سکتا، یہ الگ بات ہے کہ ہر اختلاف نہ تو مذموم ہے اور نہ ہی ہر اختلاف محمود ہو سکتا، وہ اختلاف جس کا منشاء وسبب قبیح ہو وہ اختلاف یقیناً مذموم ہے، اسی طرح ایسے امور کی بابت اختلاف جن میں اس کی گنجائش نہیں اس بنا پر کہ ہماری عقل کی پرواز وہاں تک نہیں یا اس کو عقل سے زیادہ وحی کے مضبوط ذریعے سے مربوط کر کے رکھا گیا ہے؛ اس بابت اختصار کے ساتھ مندرجہ ذیل سطور میں کچھ معروضات پیش کی جارہی ہیں۔

فروعی واجتہادی اختلاف

فروعی واجتہادی اختلاف یہ اختلاف محمود ہے۔ جس طرح انبیاء کی شریعتیں الگ الگ رہی ہیں، فروعی مسائل میں ہر مجتہد کی رائیں مختلف ہوئی ہیں، کسی کو باطل نہیں کہا جاسکتا، اس قسم کا اختلاف امت کی آسانی کے لیے ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کا جملہ بہت ہی وقعت رکھتا ہے:

ما يسرّني لو أن أصحاب محمد لم يختلفوا؛ لأنهم لو لم يختلفوا لم تكن رخصة (7)

مجھے اس بات سے مسرت نہ ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں اختلاف نہ ہوتا؛ اس لیے کہ ان میں اگر اختلاف نہ ہوتا تو گنجائش ورخصت نہیں رہتی۔

حضرت امام مالک سے خلیفۂ وقت نے درخواست کی کہ آپ موطا کے متعدد نسخے تیار کر دیں، ہم اس کو سلطنت کے ہر شہر میں بھیج دیں گے اور سب کو شاہی فرمان کے ذریعہ اس پر متفق کر دیں گے، مگر حضرت امام مالک اس کے لیے راضی نہیں ہوئے اور اس ارادے سے باز رہنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا: لوگوں کے پاس مختلف حدیثیں پہنچی ہیں وہ ان روایات

کے موافق عمل پیرا ہیں، بعد کے خلیفہ نے بھی اس قسم کا مشورہ دیا مگر حضرت امام مالک نے اس قسم کا مشورہ پسند نہیں فرمایا، کیوں کہ اس کی وجہ سے امت مصیبت میں مبتلا ہو سکتی تھی۔(8)

پھر اجتہادی مسائل میں حق و باطل کا اختلاف نہیں؛ بلکہ صواب و احتمال خطا کا اختلاف ہے، جس میں صواب کو پہنچنے والا گو ایک ہی ہو گا، مگر اجر کے مستحق دونوں ہی ہوتے ہیں اس کی صراحت و وضاحت حدیث میں بھی فرمائی گئی ہے۔ اس لیے ایسے اختلاف کو مذموم نہیں؛ بلکہ محمود کہا جائے گا۔

عصر حاضر میں اختلاف کے اسباب

قبیح اسباب کی بنا پر جو تصادم رونما ہوتے ہیں وہ مذموم ہو جاتے ہیں۔ ایسے اسباب تو متعدد ہیں؛ مگر ان کو دو میں منحصر کیا جا سکتا ہے: (۱) وہ اختلاف جو جہل کی بنا پر ہو (۲) وہ اختلاف جو محض تعصب اور نفس پرستی کی بنا پر ہو۔

اختلاف بالجہالۃ

اختلاف کی وجوہات پر غور کیا جائے تو "جہالت" ایک اہم سبب ہے جس کی بنا پر اختلافات رونما ہوتے ہیں، مذہبیات سے ناواقفیت، احکام کے مابین درجات اور ان کے حدود سے عدم معرفت، جس امر میں گفتگو ہو رہی ہے اس میں مہارت کا فقدان اور اس کے لوازم و مقتضیات سے جہل ایسا سنگین و خطرناک مرض ہے جس نے امت کو اختلاف و انتشار کا شکار بنا کر رکھ دیا ہے، دینی مسائل میں محض عقل سے یافت نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ دین کے اصول کی دریافت کے بعد صحیح راہ ملتی ہے، ہر شخص کی رائے زنی، ہر کس و ناکس کی مداخلت، ہمہ و شما کی فتویٰ بازی نے امت کا شیرازہ پارہ پارہ کیا ہے۔ حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعًا ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤوسًا جھالاً، فسئلوا افافتوا بغیر علم فضلوا واضلّوا۔ (۹)

اللہ تعالیٰ بندوں سے یک لخت علم کو سلب نہیں کرے گا؛ بلکہ علماء کو موت دے کر علم کو اٹھائے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ اپنا پیشوا جاہلوں کو بنا لیں گے، پس ان سے سوال کیا جائے گا وہ بھی بلا علم فتویٰ دیں گے، نتیجتاً خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

یہ ایسا ہی ہے کہ ایک انجینئر، ڈاکٹر کے نسخہ میں دخل انداز ہو جائے تو مریض کو اپنی خیر منانی چاہیے، ہونا تو یہ چاہیے کہ اگر معلوم نہیں ہے تو "واللہ اعلم" کہہ کر بات ختم کر دے اور اگر اس کے بس میں دوسرے سے معلوم کرنا ہو تو کوشش کر لے، حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین اختلاف سے کسی کو انکار ہو سکتا ہے؛ مگر جب مسائل الجھتے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی رجوع کیا جاتا تھا۔ موافقین و مخالفین کسی کو عار محسوس نہیں ہوتی، ایک مقدمہ حضرت معاویہ کی خدمت میں آیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کسی کے ساتھ زنا میں ملوث پایا، اس نے زانی کو قتل کر دیا، اب اس

قاتل کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، قاتل ہونے کا تقاضا ہے کہ قصاصاً شوہر کو قتل کر دیا جائے؛ مگر جن حالات میں یہ واقعہ پیش آیا ان جذبات سے چشم پوشی بھی ممکن نہیں؛ بالآخر حضرت معاویہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ فیصلہ کیا ہو؟ انھوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ حضرت علی سے مسئلہ دریافت کر کے لکھیں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب مرحمت فرمایا۔(10)

اختلاف با التعصب

تعصب بھی اختلاف کے باب میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے، انسان جانتا ہے، پہچانتا ہے، مگر قومی ہمدردی، لسانی وزبانی ہم آہنگی، مسلکی اتحاد واتفاق، اور سیاسی اشتراک کی وجہ سے اختلاف کرتا ہے، یا پھر ان سب سے قطع نظر محض نفسانی خواہش کی تکمیل کے لیے اور جذبات کی تسکین کے لیے اختلاف کرتا ہے، یہود ونصاریٰ کا اپنے نبیوں سے، اور کفار مکہ کا اسلام ومسلمانوں سے اختلاف وعناد کا بنیادی داعیہ وکلیدی محرک یہی تعصب ہی تو تھا۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں اس قبیح داعیہ کی طرف واضح اشارہ موجود ہے:

ما ضلّ قوم بعد هُدى كانوا عليه الا أوتوا الجدل، ثم قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم هذه الآية: ما ضربوه لك الا جدلاً، بل هم قوم خصمون (11)

(کہا گیا ہے: مراد یہاں عناد اور قرآن میں بعض کا بعض سے تعارض پیدا کر کے شک پیدا کرنا ہے کہ اپنے مذہب ومشرب اور اپنے مشائخ کے آراء کی ترویج ہو، ان کا مقصود حق کی نصرت کرنا نہیں ہے، اور یہ صورت حرام ہے)

یہ دو اسباب بہت ہی اہم ہیں جو اختلاف کو جنم دیتے ہیں، باقی اور اسباب پر غور کیا جائے تو وہ سب انہی دو کے شاخسانہ ہوں گے۔

ایسے امور کی بابت اختلاف جو محل اختلاف نہیں ہیں

جس طرح برُے اغراض واسباب کی بنا پر اختلاف مذموم ہوتا ہے اسی طرح ایسے امور کی بابت اختلاف بھی مذموم ہو جاتا ہے جو محل اختلاف نہیں ہیں۔ وہ بھی بنیادی طور پر دو ہیں:

(۱) عقائد میں اختلاف، (۲) آیات متشابہات میں اختلاف۔

عقائد میں اختلاف

عقائد کے سلسلہ میں اللہ پاک نے بالکل واضح ہدایات اپنے انبیاء کو مبعوث کر کے دے دی ہے، ہر زمان ومکان کے لحاظ سے انبیاء کی شریعتیں تو بدلتی رہیں؛ مگر امور اعتقادیہ میں فرق نہیں آیا، قرآن نے واضح کیا: شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحًا (اللہ نے اسی دین کو تمہارے لیے مشروع کیا، جس کی وصیت حضرت نوح ودیگر انبیاء ورسل کو کیا)

البتہ سب کے لیے منہاج اور چلنے کی راہوں کو الگ الگ بنایا، تاکہ چلنا آسان اور عمل کرنا سہل ہو جائے، ان اعتقادی و نظریاتی امور میں جب بھی امت کی طرف سے تھوڑا بھی اختلاف کا شائبہ اللہ کے رسول کو محسوس ہوا، رحمۃ للعالمین کا چہرہ غصہ سے تمتما گیا اور فوراً تنبیہ فرمادی: أبهذا أُمرتم، أبهذا بعثتم، کیا تمہیں اسی کا حکم دیا گیا ہے، کیا تمہیں دنیا میں اسی کے لیے بھیجا گیا ہے، تمہیں کیا ہوا کہ کتاب اللہ کی بابت اختلاف کرتے ہو، سابقہ قومیں اسی وجہ سے گمراہ و ہلاک ہو گئیں کہ انھوں نے اپنی کتابوں میں اختلاف کیا؛ بہتر و تہتر فرقوں کا وجود بھی اسی کی رہین منت ہے، صحابہ کے زمانہ میں ہی اعتقادی فرقے بال و پر نکال چکے تھے، حضرت علی کے دور میں زندیقوں کی جماعت کو امیر المومنین کے حکم سے آگ میں جھونک دیا گیا، یہ سب اعتقادی اختلاف کی پاداش میں ہوا۔

متشابہات میں اختلاف

متشابہات بھی ان امور میں سے ہیں جن میں اختلاف کی گنجائش نہیں؛ اس لیے کہ اختلاف کا مقصد صواب و درستگی کی تلاش اور اس کا حصول ہے، یہ انسان کی قدرت سے باہر ہے کہ متشابہات کی حقیقی مراد تک رسائی حاصل کرلے کیوں کہ انسان کو اس کا علم دیا ہی نہیں گیا ہے۔ اللہ نے اپنے پاس محفوظ رکھا ہے؛ بلکہ اس سلسلہ میں کلام کرنے کی ممانعت فرمادی گئی، قرآن کریم نے ان لوگوں کو "اہل زیغ وضلال" سے تعبیر کیا ہے جو ان کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔

خلافت فاروقی میں ایسا ہی ایک شخص تھا جو بصرہ میں رہتا تھا اور ہر وقت متشابہات کے درپے رہتا، وہ مصر بھی پہنچ گیا، وہاں اس وقت حضرت عمرو بن عاص گورنر تھے، انھوں نے اس بابت امیر المومنین کو عریضہ لکھا، حضرت عمر نے اس شخص کو مدینہ طلب فرمایا، حضرت عمر نے اس سے سوال کیا: تو کون شخص ہے؟ اس نے کہا: اللہ کا بندہ "صبیغ" ہوں۔ حضرت عمر نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ عمر ہوں اور تر و تازہ قمچیوں سے مارنا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ سارا بدن لہولہان ہو گیا، جب زخم اچھا ہونے لگا، پھر مارنا شروع کیا، اس نے عرض کیا: امیر المومنین: اگر آپ میرے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں تو سیدھے طریقے سے قتل کیوں نہیں کروادیتے ہیں اور اگر میرے دماغ کے فتور کی وجہ سے یہ معاملہ کررہے ہیں تو اللہ شاہد ہے کہ وہ نکل چکا ہے۔ حضرت عمر نے اب بصرہ یعنی گھر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی، مگر لوگوں کو میل جول سے منع کردیا۔ ابو عثمان نہدی کہتے ہیں: وہ شخص ہم لوگوں کے مجمع میں اگر آجاتا تو ہم سب وہاں سے کھسک لیتے، یہ اس پر بہت شاق گزرتا تھا۔ بالآخر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دارالخلافہ عریضہ روانہ کیا کہ اس کی حالت اچھی ہو چکی ہے تب جاکر حضرت عمر نے ملنے جلنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ (12)

اختلاف کی یہ ساری انواع مذموم اور قابل اجتناب ہیں؛ کیوں کہ ان میں حق و باطل کا معرکہ ہے اور اللہ نے حق کو واضح کردیا ہے اب کے خلاف جو بھی ہو گا باطل ہو گا۔

اختلاف میں حدود سے تجاوز

اختلاف خواہ مذموم ہو یا محمود اس کے حدود سے تجاوز کرنا اور مخالفین کے ساتھ اعتدال سے ہٹ کر افراط و تفریط کا معاملہ کرنا جائز نہیں۔ قرآن کریم نے تو بہت ہی واضح انداز میں کہا ہے: ولا یجرِ منّکم شنآن قوم أن صدوکم عن المسجد الحرام أن تعتدوا (ایسا نہ ہو کہ کسی قوم سے اس سبب سے کہ انھوں نے مسجد حرام سے روک دیا ہے وہ بغض تمہارے لیے باعث بن جائے حد سے تجاوز کرنے کا)

آیت میں معاملہ کفار کا ہے ان کی مخالفت میں بھی حد سے تجاوز کو روکا جا رہا ہے، تو ان اختلافات کی بابت کیا کہا جائے گا جو کافروں و مسلمانوں کے مابین نہیں؛ بلکہ بظاہر کلمہ گو حضرات کے مابین ہے، صحابہ وائمہ کے طرزِ عمل پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ امر اور بھی واضح ہو گا، صحابہ کے مابین اختلاف کم نہیں ہوئے، محاربات تک کی نوبت آئی، حتیٰ کہ تقریباً بیس ہزار نفوس ان حروب کے شکار ہوئے، یہ جو کچھ ہوا غلط فہمی واجتہاد کی بنا پر ہوا؛ لیکن اس کے باوجود حدود کی رعایت میں اپنی مثال آپ ہیں، بلوائیوں اور سبائیوں نے حضرت عثمان کا گھیر اتنگ کر رکھا ہے، گھر سے نکلنے کی اجازت تک نہیں دے رہے ہیں، مسجد نبوی میں ان کا ہی ایک فرد امامت کر رہا ہے، جو لوگوں کو ناگوار بھی ہو رہا ہے، لوگوں کی شکایت پر خلیفہ کی زبان سے نصیحت بھرا جملہ نکلتا ہے:

الصلاۃ أحسن ما یعمل الناس، فاذا أحسن الناس فأحسن معهم واذا أساؤوا فاجتنب اسائتهم . [13]

(نماز بہت اچھی چیز ہے جب تک لوگ اس پر عامل ہیں، پس جب لوگ اچھے طریقے کو اختیار کریں تم بھی ان کے ساتھ اس حسنہ میں شریک رہو، اور جب سوء کو اختیار کریں تو ان کے سوء سے اجتناب کرو)

اساءت سے ان کا خلیفہ کے ساتھ بغاوت کو مراد لیا ہے۔ اپنے مخالفین کے سلسلہ میں اس قدر اعتدال کی راہ اختیار کرنا ایک خلیفۂ راشد و عادل سے ہی ممکن تھا۔

اسی طرح ائمہ کے مابین اختلافات سے کتب فقہ لبریز ہیں، مگر کسی فقیہ نے دوسرے کی شان میں گستاخی نہیں کی، امام شافعی کا مشہور جملہ علمی حلقوں میں زبان زد ہے اور بالکل صحیح ہے کہ لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے محتاج ہیں۔

بہر حال ہر امر میں اعتدال مطلوب ہے، اختلاف میں بھی اعتدال مطلوب ہو گا۔

(ا) فروعی احکام کو بیان کرنے میں اعتدال

فقہی مباحث میں جو کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اس کا اکثر حصہ افضلیت واولیت پر مبنی ہے اِکا دُکا مسئلہ جواز و عدم جواز سے بھی متعلق ہے؛ مگر یہ سارے مسائل مجتہد فیہ ہیں جن میں خطا و صواب دونوں کا احتمال ہے، کسی بھی فریق کو مورد الزام ٹھہرانا غلو و تشدد ہو گا، ائمہ کے مسالک ترجیح کی خاطر ہیں اور بلا ضرورت ایک امام کے مسلک سے عدول نہیں کرنا چاہیے؛ لیکن یہ احکام تبلیغی نہیں ہیں لہٰذا دوسروں کو اپنے فکر و خیال کا ہم نوا بنانا اعتدال کے باب کو مجروح کرتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پیراگراف جو انھوں نے بزرگوں واسلاف کے خیالات سے کشید کر کے لکھا ہے حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے:

"الغرض وہ تمام مسائل جن میں سلف صالحین اور فقہائے امت کا اختلاف ہے، خصوصاً جن مسائل میں اختلاف صرف افضلیت وغیر افضلیت تک محدود ہے ان میں ایسا غلو اور تشدد روا نہیں کہ ایک دوسرے کو توبہ کی دعوتیں دی جانے لگیں، ایسا غلو اور تشدد ابتداع فی الدین ہے جس سے شاہ صاحب کے بقول دین میں تحریف کا دروازہ کھلتا ہے، ایسے لوگوں کا شمار اہل حق میں نہیں اہل بدعت میں ہے، میں اپنے بہادر بھائی اور ان کے دیگر ہم مشرب بزرگوں کی خدمت میں نہایت دردمندی سے گزارش کروں گا کہ آپ کے جذبہ عمل بالحدیث کی دل وجان سے قدر کرتا ہوں، مگر خدارا ان فروعی مسائل میں ایسا غلو اور تشدد روا نہ رکھئے جس سے دین کی حدود مٹ جائیں اور فرائض وواجبات اور مستحبات کے درمیان خط امتیاز باقی نہ رہے، اور بے دین طبقہ کو اہل دین کا تمسخر اڑانے کا موقع ملے، آپ جس سنت کو اولیٰ وافضل سمجھتے ہیں بڑے شوق واخلاص کے ساتھ ان پر عمل کیجیے، ان شاء اللہ آپ کو اپنے مخلصانہ عمل کا اجر ضرور ملے گا؛ لیکن دوسرے حضرات کے نزدیک اگر دوسری سنت افضل وراجح ہے تو ان پر طعن نہ کیجیے؛ بلکہ اطمینان رکھئے ان کو بھی بشرط اخلاص اس دوسری سنت پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ آپ سے کم اجر نہیں ملے گا۔"(14)

سارے ہی مکاتب فکر قرآن وحدیث، اجماع وقیاس سے ہی استدلال کرتے ہیں، اختلاف نصوص فہمی یا فقہی اصول و شرعی ضوابط سے تخریج وتنقیح کا ہے یا پھر نصوص کی تاویل وتشریح کا ہے۔ سب ہی اللہ کے نزدیک ماجور ہیں کسی کو لعن طعن کرنا کیوں کر جائز ہوگا، اور غالباً مدارس کی درسگاہوں میں ایسا ہوتا بھی نہیں ہے، ایک دو فرد سے ایسا اگر ہو رہا ہے تو اس کو عمومی رجحان نہیں کہا جا سکتا، مخاطب طلبہ بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ جو کچھ بیان ہو رہا ہے وہ ترجیح کی خاطر ہی ہو رہا ہے۔ اس کی تبلیغ مقصود نہیں ہے؛ لیکن پھر بھی ایسا طرزِ تدریس اختیار کرنا جس سے کسی دوسرے امام کی تنقیص وتحقیر ہو رہی ہے، یا احترام میں کمی اور طلبہ کے ذہن میں نفرت پیدا ہو رہی ہے تو بہر حال روا نہ ہوگا۔

محتاط رویہ تو یہ ہے کہ پوری دیانت داری کے ساتھ ہر ایک کا مسلک واضح کر دیا جائے، نیز ہر ایک کی ترجیحات کو ذکر کر کے مخاطب طلبہ جس مسلک کے پیروکار ہوں اس کی ترجیح کو مدلل کر دیا جائے، نیز باور کرا دیا جائے کہ دوسرے فقہی دبستانوں کا اختلاف کس بنیاد پر ہے، نص فہمی بنیاد ہے یا کسی اصل کل سے تخریج ہے ایسا کرنے سے اعتدال بھی قائم رہے گا اور اتحاد واتفاق کی فضا بھی استوار رہے گی۔ کیرلا کے مدارس جہاں ہر دو فکر وخیال کے طلبہ پڑھتے ہیں، مدارس سے نکلنے کے بعد بھی کوئی ضروری نہیں کہ ان کے مسلک کے مطابق خدمت کا موقع بھی مل جائے؛ لیکن کوئی اختلاف وانتشار نہیں، یہ علماء انہی مدارس سے فاضل ہوتے ہیں، پھر امہات المدارس سے تربیت لیتے ہیں جو خالص حنفی مکتب فکر کے حامل ہیں، اگر کسی کا دماغ ہی بودا ہو اور وہ بیان مسلک وترجیح کو بھی نزاع واختلاف سمجھنے لگے تو اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔

تنقید میں نظریات کے تفاوت کا لحاظ

جس طرح امر خیر کی تبلیغ واشاعت میں درجہ بندی آئی ہے۔پہلے ایمان کی دعوت دینے کا حکم ہے،بعدہ احکام کی تبلیغ کرنے کا حکم ہے(15)

تدریجی طریقہ ہی دعوت و تبلیغ میں موثر ہوتا ہے،منکر پر نکیر بھی دعوت و تبلیغ کا بنیادی حصہ ہے،منکر پر سکوت ہلاکت وبربادی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔تاریخ وحدیث کی شہادت سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ منکر کی نحوست کا اثر صرف انہی لوگوں تک محدود نہیں ہوتا جو اس میں مبتلا ہیں؛بلکہ خاموش رہنے والے،ملنے جلنے والے سب ہی خواہی نخواہی اس کی چپیٹ میں آتے ہیں؛اس لیے منکر پر نکیر و تنقید میں بھی درجات کا لحاظ ضروری ہے۔

ایسا نظریہ جو گمراہی کا سبب ہے اس پر تنقید اس فکر وخیال کے حاملین کے مقابلہ میں خفیف ہو گی جو کفر کی سرحد تک پہنچ چکے ہیں،پہلا گروہ اپنی تمام تر گمراہیوں کے باوجود جماعت مسلمین سے خارج نہیں،اس لیے ایسا رویہ اختیار نہ کیا جائے کہ خدانخواستہ اسلام کا قلادہ ہی اتار پھینکے اور بالآخر امت تفرق وانتشار کی شکار ہو کر اپنا وزن کھو بیٹھے،بات بات پر تنقید کے بجائے عقل و نقل سے تفہیم کی کوشش کی جائے،گمراہی کے عواقب ونتائج سے آگاہ کیا جائے کیوں کہ گمراہی میں گرفتار عدم آگہی،ونفس پرستی ہی کی وجہ سے راستہ بھٹکے ہوئے ہیں،انہی دونوں قلعوں کو مسمار کر دیا جائے تو بات بن جائے گی۔

لیکن جن حضرات کی گمراہی کفر تک پہنچی ہوئی ہے وہ پہلے ہی سے دائرۂ اسلام سے دور ہو چکے ہیں،حتی الامکان ان کو قریب کرنے کی کوشش کی جائے گی اس کے لیے افراط و تفریط کے بجائے اعتدال کی راہ اختیار کی جائے اوران کے کفریہ خیالات کی تردید کی جائے،افہام و تفہیم نیز مذاکرہ وتبادلۂ خیال سے بات نہیں بنتی ہے تو سخت تنقید بھی کی جاسکتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ہی جماعت کے اس گروہ کو نذرِ آتش کر دیا جس نے حضرت علی کی بابت حلولِ الوہیت کا کفریہ عقیدہ گھڑا تھا۔حضرت صدیق اکبر نے مرتدین کے استیصال کے لیے جدوجہد واستقامت کی انتہاء ہی کر دی تھی اور حضرت عمر جیسے پامردو باہمت اور باطل کے لیے تلوار برہنہ انسان کو بھی صدیقی صلابت کا اقرار واعتراف کرنا پڑا۔(16)

حضرت ابو بکر نے اسی موقع پر حضرت عمر کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا تھا: جبار في الكفر خوار في الاسلام (کفر میں تو بڑے سورما تھے،اسلام میں اتنا بزدل ہو گئے)

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وہ گمراہی جو کفر ہو اس کے تئیں کسی قدر سختی کا رویہ اختیار کیا جائے گا۔

فرقہ وارانہ اختلاف اور اس کے اثرات

اسلام میں فرقہ وارانہ اختلافات کوئی نئی بات نہیں ہے اور برصغیر پاک وہند بھی اس سے کبھی محفوظ نہیں رہا۔

مختلف مسالک اور فرقوں کا ایک دوسرے کو "کافر" یا "خارج از اسلام" قرار دینا بھی پرانا وطیرہ ہے شیعہ سُنی،دیوبندی، وہابی سمیت کوئی بھی اس سے ماورا نہیں ہے اور ان تمام مسالک کے ایک دوسرے کے خلاف ایسے بے شمار فتوے نہ صرف

تحریری صورت میں موجود ہیں بلکہ ان مسالک کے مدارس اور کتب خانوں سے با آسانی دستیاب بھی ہیں۔ ان میں کسی دو مسالک کی تخصیص بھی نہیں دیوبندی مسالک کی نہ صرف شیعہ بلکہ بریلوی اور اہلحدیث مسالک کے خلاف فتووں پر مشتمل کتاب، کتابچے پمفلٹ بھی دستیاب ہیں۔ ان میں سے بیشتر مطبوعات کے محض عنوانات درج کرنا بھی کسی خطرے سے خالی نہیں ہو گا۔ مختلف مسالک کے ایک دوسرے کے خلاف مناظروں، مساجد اور مدارس میں مختصر دورانیے کے دورہ جات، خطبے، تقاریروں کی روایت بھی اتنی ہی پرانی ہے لیکن قیام پاکستان کے بعد ملک میں برداشت کی ایک فضاء تھی اور جیسے جیسے فرقہ وارانہ پُرتشدد جیسے واقعات بڑھے برداشت کی سطح بھی بتدریج کم ہوتی گئی۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ جب مذہب اور خاص طور پر فرقہ وارانہ معاملات میں سیاست در آئی تو نہ صرف برداشت کی سطح متاثر ہونے لگی بلکہ رد عمل میں ایسی تحریکیں اور تنظیمیں وجود میں آنے لگیں۔ (17)

1985ء میں پنجاب میں ابھرنے والی انجمن سپاہ صحابہ کے امیر مولانا حق نواز جھنگوی جمیعت علمائے اسلام پنجاب کے نائب امیر تھے اور پنجاب میں ان کی شہرت بریلوی مسلک کے خلاف زبردست مقرر کی تھی۔ ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ سپاہ صحابہ کی تشکیل کے وقت مولانا حق نواز جھنگوی جمیعت علمائے اسلام کے رکن کی حیثیت سے تحریک بحالی جمہوریت (ایم آرڈی) میں بھی پیش پیش رہے اور ان کی فرقہ وارانہ حریف تحریک نفاذ فقہ جعفریہ بھی اس تحریک کا حصہ تھی۔ (18)

سپاہ صحابہ نے صحابہ کرامؓ کے خلاف شیعہ لٹریچر کے خلاف مہم اور پاکستان میں ایرانی طرز کے "شیعہ انقلاب" کا رستہ روکنا۔ اپنی تنظیم کے بنیادی اسباب قرار دیئے اور ذیل مقاصد طے کیے۔

1۔ پاکستان میں خلافت راشدہ کا نظام نافذ کیا جائے

2۔ پاکستان کو سُنی سٹیٹ قرار دیا جائے۔

3۔ جن کتب میں صحابہ کرام کی توہین کی گئی ان پر پابندی عائد کی جائے۔

4۔ جو شیعہ ذاکر اور علماء صحابہ پر تبرا کرتے ہیں ان کو سزا دی جائے۔ (19)

سپاہ صحابہ کی تحریک نے مذکورہ مقاصد کے تحت زور پکڑا اور ضلع جھنگ اس کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ جھنگ میں اس تحریک نے طبقاتی تصادم کی صورت اختیار کر لی جہاں بڑے شیعہ زمینداروں اور سُنی کاروباری طبقے کے مفادات ایک دوسرے سے ٹکراتے تھے۔ دونوں طبقوں کے علاوہ جرائم پیشہ گروہوں کے بھی علاقے میں اپنے مفادات تھے اور ان کے تحفظ کے لیے انہوں نے فرقہ وارانہ جذبات بھڑکانے میں اہم کردار ادا کیا۔ کچھ تجزیہ نگار سپاہ صحابہ کی تشکیل کو جنرل ضیاء الحق کی "پیپلز پارٹی مخالف" پالیسی کا حصہ بھی قرار دیتے ہیں کہ اس نے پیپلز پارٹی کی قوت کو کمزور کرنے کے لیے سندھ میں لسانی اور پنجاب میں فرقہ ورانہ تنظیموں کی سرپرستی کی۔

اس کے علاوہ افغان سوویت جنگ نے بھی اہم عامل کا کردار ادا کیا جہاں وہابی اور دیوبندی تنظیموں کو جہاد کے لیے سرکاری سرپرستی حاصل تھی جس کے باعث دیوبندی اور وہابی فرقہ ورانہ تنظیموں کو بھی عسکری تربیت کے علاوہ سعودی عرب اور پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں کی مالی، اخلاقی اور سیاسی مدد حاصل ہوئی۔ جیسے جیسے فرقہ وارانہ تنظیموں کو اندرونی ،بیرونی وسائل اور حمایت میسر آتی گئی، فرقہ وارانہ کشیدگی میں اضافہ ہوتا گیا۔ شیعہ، سُنی علماء اور رہنمائوں کے قتل کے واقعات تیزی سے بڑھنے لگے۔ ضلع جھنگ فرقہ وارانہ فسادات کا مرکز بن گیا جہاں 1986ء سے 1989ء کے دوران 300 سو افراد فرقہ وارانہ دہشت گردی کا نشانہ بنے۔(20)

عصر حاضر میں فرقہ واریت

عصر حاضر میں اگر ہم بغور مطالعہ کریں تو دین کے فروعی مسائل میں بہت سے لوگ آج لوگوں سے یہ تقاضا کررہے ہیں کہ سب کے سب انہی کے مذہب یا انہی کی رائے یا انہی کے فہم پر آئیں بصورت دیگر وہ ان کو فَ اِنَّمَا ہُمْ فِي شِقَاقٍ کے مصداق صاف گمراہی پر جانیں گے۔ اس طرز فکر کے باعث ایک فقہی مذہب کا شخص دوسرے مذہب والے کے پیچھے نماز ادا کرنے تک کا روادار نہیں۔ سیاسی مجبوری ہو تو الگ مسئلہ ہے دل سے ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے کیلئے تیار نہیں گویا کہ وہ خود حق پر ہے اور دوسرا باطل پر! یہ یقیناً تفرقہ ہے اور تنازع بھی۔

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (21)

آپس میں تنازع مت کرو۔ ورنہ تمہارا زور جاتا رہے گا اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔

پاکستان میں فرقہ واریت کی تاریخ

فرقہ وارانہ تنظیموں پر کام کرنے والے محقق اور صحافی عظمت عباس نے پاکستان میں فرقہ وارانہ تشدد کی تاریخ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا کم شدت کے فرقہ وارانہ فسادات کا دور جو 1980ء تک کے عرصے پر مشتمل ہے لیکن یہ جب بھی وقوع پذیر ہوئے نہ تو منظم تھے اور نہ ہی ان کے پیچھے کوئی منصوبہ بندی کارفرما ہوتی تھی۔

دوسرا عرصہ ضیاء الحق کے دور سے آج تک کے عرصے پر محیط ہے۔ جب باقاعدہ پرتشدد فرقہ وارانہ تنظیمیں وجود میں آچکی تھیں اور منظم فرقہ وارانہ وارداتوں کا سلسلہ شروع ہوا لیکن عظمت عباس کا یہ تجزیہ فروری 2002ء کا ہے۔ 2009 تک آتے آتے یہ رجحان تین حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔

تیسرا رجحان نو گیارہ 2001ء کے بعد واضح ہونا شروع ہوا جب پُرتشدد فرقہ وارانہ تنظیموں، مقامی جہادی، علاقائی اور عالمی عسکری تنظیموں میں فرق منہدم ہونے لگا اور فرقہ وارانہ تنظیموں کے ایجنڈے میں وسعت آنا شروع ہوئی اور وہ فرقہ وارانہ دہشت گردی کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بیرونی مفادات، سرکاری مفادات سیکورٹی فورسز اور ثقافتی مراکز پر بھی

حملہ آور ہونے لگیں۔ خیر اس کا تذکرہ تو بعد میں کیا جائے گا لیکن سر دست پر تشدد فرقہ وارانہ لہر کے پس پردہ محرکات پر روشنی ڈالتے ہیں۔(22)

پاکستان میں فرقہ واریت کی وجوہات:

فرقہ واریت کی مذکورہ اقسام اور اسباب کے علاوہ کچھ سیاسی اور انتظامی خامیاں اور خرابیاں بھی ہیں۔ جس کی وجہ سے فرقہ واریت اس ملک سے ختم ہونے کے بجائے مزید مستحکم ہوتا جارہا ہے۔ پاکستان آزادی کے ابتدا سے بے شمار مسائل اور بحرانوں سے دوچار رہا ہے۔ مسائل کے حل کی بجائے منفی اقدامات، خرابی میں اضافہ کا باعث بنتے رہے ہیں۔اس لئے کہ ملک کو چلانے کے لیے کمزور اور بے سمت ریاستی نظام اختیار کیا گیا۔ملک کے اندر بہت سارے وسائل کو خود انحصاری کی بنیاد بنانے کی بجائے امداد، قرضوں اور کشکول تھامنے کا رویہ اپنایا گیا ہے۔ملک میں بار بار فوجی آمریت نے عوام کے اعتماد کو منتشر کیا اور پوری قوم کو تقسیم در تقسیم کا شکار کر دیا۔ عالمی قوتوں نے پاکستان کی جمہوری حکومتوں کو تنگ کیا اور فوجی آمروں کی سرپرستی کی۔

عوام جن بنیادی مسائل اور بحرانوں سے دوچار ہیں ان میں غربت، جہالت، طبقاتی نظامِ تعلیم، کرپشن، سیاسی عدمِ استحکام، بیرونی مداخلت، دہشت گردی تخریب کاری، مذہبی انتہا پسندی، آبادی میں وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم، مہنگائی، بے روزگاری اور توانائی کا بحران سرفہرست ہیں۔ ان مسائل کو حل کرنے میں حکمران طبقات ناکام رہے ہیں اور اپنی ناکامی کو چھپانے کے لیے ریاستی نظام، عوام کو تقسیم کرو۔ اور حکمرانی جمائے رکھو کے فارمولے پر عمل پیرا ہیں جس سے معاشرے میں مذہبی، طبقاتی، لسانی اور علاقائی تقسیم کے رجحانات پوری شدت سے پیدا ہو رہے ہیں۔

ایک قابل غور بات یہ ہے کہ سیاسی فرقہ واریت، لسانی فرقہ واریت، قومی فرقہ واریت، وطنی فرقہ واریت، مذہبی فرقہ واریت، صنفی و مرفتی فرقہ واریت یعنی ہر قسم و صنف کے لوگوں نے اپنی الگ الگ جتھہ بندی کر کے اپنے اپنے مفادات کی جنگ شروع کر رکھی ہے۔ان میں سے زیادہ خطرناک فرقہ واریت کی پہلی چار قسمیں ہیں کیونکہ صنفی فرقہ واریت کے نتیجہ میں اپنی گروہی مفادات کی خاطر زیادہ سے زیادہ احتجاج، ہڑتال، جلسے جلوس ہو جائیں گے اور مذہبی فرقہ واریت کے نتیجہ میں جلسے جلوس احتجاج ہڑتال کے علاوہ جُدا مساجد و مدارس بن جائیں گے ایک دوسرے کے خلاف جلسے کر لیں گے لیکن فرقہ واریت کی پہلی چار قسمیں تو اتنی خطرناک ہیں کہ ان سے تو ملکوں کے نقشے اور ملکوں کے جغرافیے بدل جاتے ہیں۔ پاکستان کا جغرافیہ بدل گیا جو کبھی مغربی پاکستان ہوتا تھا اب وہی کُل پاکستان بن گیا جبکہ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا جس میں بلا شبہہ ہزاروں مسلمان شہید ہوئے۔۹۰ ہزار فوج دشمن کی قید میں چلی گئی اور پوری دنیا کے سامنے اس سیاسی، لسان، وطنی، قومی فرقہ واریت نے پاکستانی قوم کو ذلیل اور رُسوا کر دیا اور سر شرم سے جھک گئے۔ قائد اعظم محمد علی جناح لیاقت علی خان جیسے عظیم لوگ سیاسی فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھ گئے کتنے گولیوں

کے نشانہ بن گئے کتنی عزتیں پامال ہوئیں کتنے جانی ومالی نقصانات ہوئے اور کتنے سیاسی حریف ہیں جو انتقام کا نشانہ بنے اور کتنے سیاسی حریف ہیں جو بے قصور ہونے کے باوجود جیلوں میں پڑے ہیں اور ظلم وستم کی چکی میں پس رہے ہیں اور محض اپنے سیاسی دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے کتنے جھوٹے ڈرامے رچائے جاتے ہیں اور جھوٹی کہانیاں بنائی جاتی ہیں لیکن حکومت اس خطرناک فرقہ واریت کو ختم کرنے کے لیے حکومتی وسائل استعمال نہیں کرتی۔ایک مذہبی فرقہ واریت ہی ہے جو ان کو نظر آتی ہے وہ اسی کی مذمت کرتی ہیں اسی کو ختم کرنے کے پروگرام بناتی ہیں ان کو تمام برائیاں اسی کے ارد گرد گھومتی نظر آتی ہیں۔کیا ان کو فرقہ واریت کی مکروہ ترین اور خطرناک ترین قسموں کے مہلک تباہ کن نتائجِ بد نظر نہیں آتے۔اصل بات یہ ہے کہ دین دشمن عناصر کی مدت سے کوشش ہے کہ علماء اسلام اور دین کے قلعے یعنی اسلامی مدارس کو مذہبی فرقہ واریت اور دہشت گردی کے حوالے سے اتنا بدنام کر دیا جائے کہ عوام الناس مدارس اسلامیہ اور علماء اسلام سے اتنے بد ظن ہو جائیں اور مدارس اور اہلِ مدارس سے اتنے دور ہو جائیں کہ وہ تعاون بھی چھوڑ دیں اور علماء دین سے دور ہو کر خود بھی بے دین ہو جائیں اور لوگ بے دینی اور بدنامی کے خوف سے اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلانا چھوڑ دیں۔ درحقیقت فرقہ واریت کا یہ پروپیگنڈا اس تسلسل کا حصہ ہے جو مشرکین مکہ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فرقہ واریت کا اور قریش کو آپس میں لڑانے کا پروپیگنڈا کیا تھا لیکن نہ وہ اوائل زمانے کے دین دشمن اپنے مکروہ عزائم میں کامیاب ہوئے نہ اخیر زمانہ کے یہ دشمن کامیاب ہوں گے۔

پاکستان کے شیعہ اور سنی مسالک کے درمیان عدم برداشت، دل آزار لٹریچر کی اشاعت، غیر ذمہ دارانہ تقاریر، ایک دوسرے کی توہین اور تضحیک شدت پسندی اور لاقانونیت کے باعث بنے ہوئے ہیں۔سانحہ راولپنڈی اسی کا نتیجہ ہے جو کہ ایک نہ ختم ہونی والی آگ نظر اتی ہے۔افسوس اس بات پر ہے کہ اب بھی حکمران طبقہ ان مسائل کے حال کے لئے سنجیدہ نہیں ہے۔

پاکستان میں فرقہ وارانہ تشدد کا عروج

فرقہ وارانہ کشیدگی میں اہم موڑ اس وقت آیا جب اگست 1988ء میں تحریک جعفریہ کے سربراہ علامہ عارف الحسینی کو پشاور میں قتل کر دیا گیا جو اباًد سمبر 1989ء میں مولانا حق نواز جھنگوی کے قتل نے فرقہ ورانہ تشدد کی ایسی لہر کو جنم دیا جو آج تک تھمنے میں نہیں آرہی۔شیعہ تنظیموں نے علامہ عارف الحسینی کے قتل کی ذمہ داری امریکہ اور حکومت پر ڈالی جب کہ سپاہ صحابہ نے اپنے رہنما کے قتل کا ذمہ دار ایران اور جھنگ کے شیعہ جاگیر داروں پر عائد کی۔

اسلام آباد میں شیعہ کنونشن، سپاہ صحابہ کی تشکیل، افغان سوویت جنگ میں دیوبندی اور وہابی گروہوں کی سرکاری سرپرستی، ضیاء الحق کی پالیسیوں اور بیرونی قوتوں کی فرقہ وارانہ تنظیموں کی سرپرستی، یہ وہ چیدہ چیدہ نکات ہیں جو فرقہ ورانہ

تشدد کو تحریک دینے کا سبب بنے۔ ابتداء میں اس کا مرکز پنجاب، لیکن آہستہ آہستہ اس کا پھیلاؤ بڑھتا گیا اور مقامی عوامل بھی اس میں شامل ہوتے گئے۔

فرقہ وارایت کے سماجی اثرات

پاکستان میں فرقہ واریت کے سماجی اثرات کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ 1986ء افغان مجاہدین کے چند گروہوں نے فوجی حکومت سے شکایت کی کہ انہیں کرم ایجنسی میں پاراچنار کے قبائلی علاقوں سے افغانستان میں آمدورفت میں مشکلات کا سامنا ہے، یہاں شیعہ طوری قبائل آباد ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق فوجی حکومت نے خفیہ ایجنسیوں کو کھلی چھٹی دے دی کہ افغان مجاہدین کو کھلی اجازت دی جائے کہ وہ اپنے طور پر طوری قبائل سے معاملے کو حل کر لیں۔ اس کے نتیجے میں دونوں فریقین میں تصادم شروع ہو گیا جس میں 500 سو سے زائد طوری قبائلی ہلاک ہوئے اور کروڑوں کا مالی نقصان الگ ہوا۔ اس دوران حکومت نے قطعی مداخلت نہیں کی۔

اِسی طرح 1988ء میں سُنی مظاہرین نے گلگت میں 150 شیعہ ہلاک کر دیئے۔ فرقہ وارانہ تنظیموں نے حکومت کی پشت پناہی پر دائرہ کار کو وسیع کیا اور کوئٹہ میں 100 سے زائد افراد کو قتل کر دیا گیا۔ پنجاب میں بھی سلسلہ دراز ہوا جس میں اہل حدیث علماء علامہ احسان الٰہی ظہیر (1986) اور مولانا حبیب یزدانی (1987ئ) میں ہلاک ہوئے۔ فقہ جعفریہ کے علامہ عارف الحینی (1988) اور سپاہ صحابہ کے مولانا حق نواز جھنگوی (1989) اور ایرانی قونصل صادق گنجی (1990) کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔

پولیس کے ریکارڈ کے مطابق 1980ء کی دہائی کے وسط میں جو ٹارگٹ کلنگ ہوئیں ان کے مطابق 1987ء اور 1989ء کے درمیانی تین سال میں پنجاب میں تشدد کے 102 واقعات ہوئے جن میں 22 افراد ہلاک اور 263 شدید زخمی ہوئے۔ لیکن 1990ء میں یہ رجحان خطرناک حد تک بڑھ گیا 274 واقعات میں 132 افراد مارے گئے جب کہ 528 شدید زخمی ہوئے۔ فرقہ واریت مسلسل بڑھتی رہی اور 1997ء تک پنجاب میں 200 افراد اس کا نشانہ بنے۔ (23)

اگست 1997ء میں جب صرف 9 دنوں کے دران 45 افراد نشانہ بنے تو حکومت نے اس جانب اپنی توجہ مبذول کر لی۔ دہشت گردی کی لہر کا مقابلہ کرنے کے لیے پولیس کی مدد کرنے کے لیے رینجرز کو طلب کر لیا گیا جب کہ موٹر سائیکل پر ڈبل سواری پر پابندی عائد کر دی گئی جو کہ دو سال رہی۔ حفاظتی اقدامات کا خاطر خواہ اثر ہوا جن کے بعد فرقہ واریت کے پسِ منظر میں 1997ء کے دران صرف سات واقعات ہوئے۔ یہ صورتحال 1998ء تک رہی جس کے دوران 36 واقعات میں 87 لوگ مارے گئے۔ 3 دسمبر 1999ء تک 12 مختلف واقعات میں 142 افراد فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھ گئے جس کے بعد قانون نافذ کرنے والے اداروں نے یہ تاثر دیا کہ انہوں نے فرقہ واریت کے خلاف جنگ جیت لی ہے۔ لیکن ایک بار پھر فرقہ واریت کی خطرناک لہر آ گئی جب صرف اکتوبر کے پہلے دس دنوں میں 21 واقعات میں 39 افراد

مارے گئے۔ ضیاء کے بعد کے دور میں فرقہ وارانہ ہلاکتوں میں کئی نئے رجحانات دیکھنے کو ملے۔ 1980ء میں فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ صرف مختلف تنظیموں کے رہنما تھے۔ جب کہ بعد کے سالوں میں اس کا نشانہ عام افراد تھے جن کا تعلق براہ راست کسی تنظیم سے نہیں تھا۔(24)

1996ء کے بعد جب فرقہ واریت میں اضافہ ہوا تو ان تنظیموں نے نئی حکمت عملی اختیار کر لی انہوں نے اہم رہنمائوں کے ساتھ ساتھ مخالف فرقے کے دانشوروں، پیشہ ور افراد اور حکومتی افسران کو بھی نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ مثال کے طور پر کمشنر سر گودھا سید تجمل عباس، صوبائی سیکرٹری اسامہ موعود، ڈپٹی کمشنر خانیوال سید علی رضا، ایس ایس پی گوجرانوالہ اشرف مارتھ، ایس پی کرائم فیصل آباد سردار علی محمد بلوچ، جوڈیشنل مجسٹریٹ گوجرانوالہ سید فدا حسین اور ڈی ایس پی طارق کمبوہ وغیرہ کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔ 1990ء کے بعد فرقہ ور دہشت گردوں نے 65 پولیس اہلکاروں کو ہلاک کیا جن میں ایس ایس پی کے رینک کا بھی ایک عہدیدار شامل تھا۔ حتیٰ کے اس کے بعد ایک نیا سلسلہ چل نکلا جب ان تنظیموں نے ڈاکٹر کے مقابلے میں ڈاکٹر، وکیل کے مقابلے پر وکیل، تاجر کے مقابلے پر تاجر کو ہلاک کیا۔ سب سے خطرناک عمل یہ تھا کہ ایک واقعہ کا جواب گھنٹوں میں دے دیا جاتا تھا۔ اس عرصے میں پاک افغان بارڈر اور کشمیر میں تربیتی مراکز قائم تھے جہاں ان کو ہتھیار اور ان کو استعمال کرنے کی تربیت بھی مل جاتی جبکہ خطرناک اسلحہ تو ہر کہیں بآسانی مل رہا تھا۔ چنانچہ دہشت گردوں نے صرف خودکار ہتھیار ہی استعمال نہیں کیے بلکہ راکٹ، دستی بم اور تباہی پھیلانے والے بم بھی استعمال کیے۔(25)

اسی طرح 18 جنوری 1997ء کو لاہور سیشن کورٹ میں بم دھماکہ ہوا جس میں 19 پولیس اہلکاروں کے ساتھ سپاہ صحابہ کے سربراہ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی اور کئی دوسرے لوگ ہلاک ہوئے۔ اس میں پہلی بار پلاسٹک دھماکہ خیز مواد استعمال کیا گیا۔ تقریباً اسی قسم کے ہتھیار اسرائیل کے خلاف لبنان میں حزب اللہ استعمال کر رہی تھی۔

محرم علی کو اس کارروائی کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ وہ ملک میں فرقہ واریت کے نتیجے میں سزائے موت پانے والا پہلا جنگجو کہلایا۔ جسے 11 اگست 1998ء کو پھانسی دے دی گئی۔ اس کے ساتھ شریک ملزم ڈاکٹر قیصر عباس ابھی تک مفرور ہے جس کی گرفتاری کے لیے حکومت نے پانچ لاکھ انعام مقرر کر رکھا ہے۔ اسی طرح سرگودھا کے نزدیک ایک پل کو اُس وقت ٹائم بم سے اڑا دیا گیا جب انسداد دہشت گردی کی عدالت کے ایک جج زوار حسین شاہ یہاں سے گزر رہے تھے۔ اگرچہ جج معمولی زخمی ہوئے تاہم اس واقعہ نے ثابت کر دیا کہ فرقہ واریت میں ملوث تنظیمیں بم بنانے اور اسے چلانے میں مکمل مہارت حاصل کر چکی ہیں۔ اس طرح کی ایک اور کارروائی کو اس وقت ناکام بنا دیا گیا جب پولیس نے ایک جنازے کی گزرگاہ پر واقع پل کے نیچے نصب بم کو ناکارہ بنا دیا اس جنازے میں تحریک جعفریہ پاکستان کے مرکزی رہنما بھی شامل تھے۔

3 جنوری 1999ء کو ایک اور واقعہ ہوا جب رائے ونڈ روڈ پر موجود پل کو اڑا دیا گیا جس کے نتیجے میں تین راہگیر ہلاک ہو گئے اس پل سے اس وقت کے وزیر اعظم نواز شریف گزرنے والے تھے۔ پولیس نے بتایا کہ اس کا نشانہ میاں نواز شریف تھے اور یہ کارروائی لشکر جھنگوی نے کی۔ اس بم میں یوریا کھاد اور دوسرے عام اجزاء استعمال کیے گئے تھے۔ پولیس نے اس واقعہ میں ملوث افراد کو گرفتار کر لیا اس کی منصوبہ بندی نور گل نے کی جس نے افغانستان کے تربیتی مراکز میں تربیت حاصل کی تھی۔ وہ روزانہ کی عام استعمال کی اشیاء سے بم بنانے میں مہارت رکھتا تھا۔

فرقہ وارانہ تشدد کی تاریخ میں ایرانی سفارت کار اور ثقافتی مراکز پر حملے بھی اہم واقعات ہیں۔ ان واقعات کی ذمہ داری سپاہ صحابہ اور لشکر جھنگوی نے قبول کی۔ ایران کے ثقافتی مرکز لاہور کے ڈائریکٹر جنرل صادق گنجی کو 1989ء میں اس وقت ہلاک کر دیا گیا جب دو دن بعد وہ واپس ایران جا رہے تھے انھیں اُس وقت ہلاک کیا گیا جب وہ لاہور کے ایک ہوٹل میں اپنے اعزاز میں منعقدہ تقریب میں شرکت کے لیے ہوٹل کے باہر پہنچے تھے۔ اس حملے میں ملوث افراد میں سے ایک شخص کو موقع پر گرفتار کر لیا گیا کیونکہ وہ موٹر سائیکل سے گر پڑا جب کہ چار دیگر فرار ہو گئے جن میں ملک کے انتہائی مطلوب دہشت گرد ریاض بسرا بھی تھا جسے چند ماہ بعد گرفتار کر لیا گیا لیکن وہ پویس کی حراست سے بھاگ نکلا۔ (26)

مولانا حق نواز جھنگوی کو سزائے موت سنائی گئی اور یہ فیصلہ اپیلٹ کورٹ نے بھی برقرار رکھا انہیں 28 فروری 2001ء کو میانوالی جیل میں پھانسی دے دی گئی اس طرح وہ فرقہ ورانہ تشدد کے نتیجے میں پھانسی پانے والے ملک کے دوسرے فرد بن گئے۔ مولانا حق نواز جھنگوی کی پھانسی کا خطرناک ردعمل سامنے آ سکتا تھا چنانچہ اس خدشے کے پیش نظر حکومت نے فرقہ وارانہ تنظیموں کے ایک ہزار سے زائد کارکنوں کو گرفتار کر لیا۔ ایک اور واقعہ اس وقت ہوا جب لاہور سیشن کورٹ واقعہ کے خلاف احتجاج کرنے والے سپاہ صحابہ کے مظاہرین نے 19 جنوری 1997ء کو خانہ فرہنگ لاہور کو آگ لگا دی۔ جس کے نتیجے میں ہزاروں کتابیں، فن خطاطی کے نادر نمونے بھی جل گئے اور یہ سب قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کی موجودگی میں ہوا جنھوں نے اس موقع پر تماشائی کا کردار ادا کیا۔

اس واقعہ کے ایک ماہ بعد 20 فروری 1997ء کو خانہ فرہنگ ملتان پر حملہ ہوا اور سات افراد جن میں خانہ فرہنگ ملتان کے ڈائریکٹر بھی تھے ہلاک ہو گئے۔ لشکر جھنگوی نے اس واقعہ کی ذمہ داری قبول کر لی اور اسے سیشن کورٹ حملے کا جواب قرار دیا۔ چند ماہ بعد 17 ستمبر کو پانچ مسلح افراد نے فائرنگ کر کے راولپنڈی میں پانچ ایرانی کیڈٹس اور ان کے ڈرائیور کو ہلاک کر دیا۔ یہ کیڈٹ پاکستان میں تربیت حاصل کرنے آئے تھے، ان کی ہلاکت سے پاک ایران تعلقات میں سرد مہری آ گئی۔ پولیس نے بعد ازاں اس واقعہ میں ملوث پانچوں افراد گرفتار کر لیے اور پانچوں کو عدالت نے سزائے موت دے دی۔ تاہم اس وقت پولیس کی کوششوں کو شدید دھچکا لگا جب اپیلٹ کورٹ نے پانچوں ملزموں کو بری کر دیا۔

فرقہ واریت سے نجات تجاویز

1. عقائد و اعمال کے مشترک پہلو تلاش کر کے باہمی اخوت و اتحاد کو فروغ دیا جائے اور تمام تر اختلافات کا خاتمہ کیا جائے۔
2. متنازعہ اور تنقیدی کی بجائے مثبت اور غیر تنقیدی اسلوبِ تبلیغ اختیار کیا جائے۔
3. حقیقی رواداری کا عملی مظاہرہ کیا جائے اور عدمِ اکراہ کے قرآنی فلسفے کو اپنی زندگیوں میں لاگو کیا جائے۔
4. دینی تعلیم کے لئے مشترکہ اداروں کا قیام عمل میں لایا جائے تاکہ آپس میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو۔
5. علماء کے لئے جدید عصری تعلیم کا اہتمام کیا جائے تاکہ مناظرانہ اور مجادلانہ طرزِ عمل کا خاتمہ ہو۔
6. تہذیبِ اخلاق کے لئے مؤثر روحانی تربیت کا انتظام کیا جائے۔
7. منافقانہ اور خفیہ فرقہ پرستی کی حوصلہ شکنی کی جائے۔
8. تمام مکاتبِ فکر کے نمائندہ علماء پر مشتمل قومی سطح کی سپریم کونسل کا قیام عمل میں لایا جائے۔
9. ہنگامی نزاعات کے حل کے لئے سرکاری سطح پر مستقل مصالحتی کمیشن قائم کیا جائے۔
10. مذہبی سطح پر منفی اور تخریبی سرگرمیوں کے خلاف عبرتناک تعزیرات کا نفاذ عمل میں لایا جائے۔

درج بالا عملی اقدامات سے فرقہ پرستی کی لعنت سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔

اگر ہم فرقہ واریت پر قابو پانا چاہتے ہیں تو ہمیں قرآنی پیغام "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاولا تفرقوا" کو اپنا حرزِ جاں بنانا ہوگا اور برداشت، اخوت اور رواداری کو اپناتے ہوئے جسدِ واحد کی طرح متحد ہونا ہوگا۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم باہمی اختلافات کو فراموش کر کے اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف متحد ہو جائیں اور اسلام کے خلاف ہونے والے منفی پراپیگنڈے کا بھرپور اور منہ توڑ جواب دیں، ہمیں اس واضح حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اسلام کی بقا اور اس کا عروج فرقہ پرستی اور گروہی اختلافات میں نہیں بلکہ باہمی اتحاد و یکجہتی میں پنہاں ہے۔

خلاصہ

اسلام نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ذمیوں کے حقوق کی بھی رعایت کی ہے۔ ان کو امن وامان سے رہنے کی اجازت دی، یہ محض اس لیے کہ وہ بھی شہری ہیں، ایک شہری ہونے کا تقاضا ہے کہ ان کے حقوق کی رعایت ہر طرح کی جائے، یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ صرف سنی حضرات ہی موردِ الزام ہیں۔ بلکہ عصر حاضر میں موجود تمام گروہ کے لوگ حد اعتدال سے تجاوز کر چکے ہیں:

1- تمام جماعتوں اور گروہوں کے پیشواؤں اور قائدین کو فرقہ واریت اور گروہی اختلافات کے خاتمہ کے لیے ٹھوس پیش قدمی کرنی چاہیے۔

2- تمام جماعتوں اور گروہوں کے پیشواؤں اور قائدین کے لیے ضروری ہے کہ اپنی اپنی جماعت کو امن کا سبق یاد دلانا چاہیے۔

3- تمام جماعتوں اور گروہوں کے پیشواؤں اور قائدین کو ہر ایسے طریقہ کے اظہار سے احتراز کی ترغیب دینی چاہیے کہ جس سے اسلامی ملک پاکستان کے قوانین کو نقصان پہونچ رہا ہو۔

4- تمام جماعتوں اور گروہوں کے پیشواؤں اور قائدین کو پر فرض ہے کہ جو طبقہ محکوم ہے ان کی بھی دل آزاری سے گریز کرنا چاہیے۔

اس طرح اگر تمام جماعتوں اور گروہوں کے پیشواؤں اور قائدین اپنے لوگوں کو باور کرانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ملک میں امن وامان کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔

حوالہ جات

1۔ اصفہانی، راغب، امام، مفردات القرآن، اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور، ص793۔

2۔ وحید الدین کیرانوی، القاموس الاصطلاحی، (کراچی دار الاشاعت اردو بازار)، ص351

3۔ قاسم محمود، سید، اسلامی انسائکلوپیڈیا، شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی، ص1156۔

4۔ عارفی، شجاعت ترمذی، فرقہ واریت ایک تجزیہ، دائرہ الفکر لاہور، ص27۔

5۔ عسقلانی، ابن حجر، فتح الباری، شرح صحیح البخاری، رقم الحدیث 1645۔

6۔ عسقلانی، ابن حجر، فتح الباری، شرح صحیح البخاری، رقم الحدیث 1645

7۔ ابن عبد البر، جامع بیان العلم وفضلہ: 2/78

8۔ مقدمہ اوجز المسالک: 1/19

9۔ بخاری: 1/20، کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم

10۔ موطا امام مالک: 308-309، کتاب القضاء، القضاء فیمن وجد مع امر أتہ رجلاً

11۔ ترمذی: 2/161، کتاب التفسیر، سورۃ زخرف۔

12۔ شیخ زکریا، اسلامی سیاست، ص: 217۔

13۔ بخاری، 1/96، کتاب الاذان، باب امامۃ المفتون والمبتدع

14۔ اختلاف امت اور صراط مستقیم، ص227، مکتبہ تھانوی

15۔ مسلم: 1/37، باب الدعاء الی الشہادتین

16۔ مسلم: 1/37، باب الامر بقتال الناس الخ

17۔ ہفت روزہ "ضرب مومن" کراچی 2009۔

18۔ اقوام عالم کے ادیان و مذاہب، ص210۔

www.tadabburjournal.com

[19]۔ اسیران سپاہ صحابہ، ص12۔

[20]۔ Seeds of terrorism by Muhammad Amir Rana

[21]۔ الانفال:8، 46۔

[22]۔ ماہنامہ خلافتِ راشدہ فیصل آباد2008۔

[23]۔ Sectarianism the players and the game by Azmat Abbas

[24]۔ فرائیڈے ٹائمز، 2010

[25]۔ The flultering flag of jihad by Amir mir

[26]۔ نیوز لائن، جنوری، 2012۔